R. No. 2186/57

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۲۲-۱۵-۸-۱

ٹیلی فون — ۲۹
قیمت فی پرچہ:
نو نئے پیسے

جلد ۲۳ - شمارہ ۴۷ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ - دسمبر ۱۹۶۴ء

آل احمد سرور

شیکسپیر سیمینار

ہندوستان میں انگریزوں کا راج ختم ہوئے سترہ سال ہو گئے مگر شیکسپیر کا راج آج بھی دلوں پر بدستور ہے۔

۵ دسمبر سے ۸ دسمبر تک ساہتیہ اکاڈمی اور سنگیت ناٹک اکاڈمی کے اشتراک سے دہلی میں شیکسپیر سیمینار ہوا۔ ۴ دسمبر کو شام کے سوا چھ بجے صدر رادھا کرشنن نے اس کا افتتاح کیا اور شیکسپیر کے اسکالروں کی سی شیکسپیر سے واقفیت کا ثبوت دیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر ہمایوں کبیر اور نیو شیکسپیر کمیٹی کے ڈائرکٹر مسٹر ولیم نے تقریریں کیں۔

۵ دسمبر کے سیمینار کا موضوع تھا "شیکسپیر میرے لیے کیا معنی رکھتا ہے؟" اس موضوع پر حسب ذیل حضرات نے مقالات پڑھے۔

(۱) آر۔ کے۔ نرائن (۲) ڈاکٹر ملک راج آنند (۳) شری نرائن دنکیشور راؤ (۴) شری اماشنکر جوشی (۵) پروفیسر محمد مجیب (۶) شری شام لال ادیب (۷) شری کا۔ نا۔ سبرامنیم (۸) فرانک ٹھاکر داس۔

آر۔ کے۔ نرائن نے جو ہمارے مشہور ناولسٹ ہیں اس پر زور دیا کہ شیکسپیر کو امتحان کا ایک مضمون نہیں بنانا چاہیے بلکہ اس کے ڈرامے کالجوں میں کھیلے جانے چاہئیں۔ وہ شیکسپیر کے شگفتہ ذہن سے سب سے زیادہ متاثر تھے جس کی خوبی یہ ہے کہ اس کا ہر کردار گویا اپنا ایک آزاد وجود رکھتا ہے۔ ملک راج آنند نے ایک دیوتا کی طرح شیکسپیر کی پرستش پر اعتراض کیا اور اسے انسانی قد سے ناپنے کی تلقین کی کیوں کہ اسی طرح اس کی حقیقی عظمت ظاہر ہو سکتی ہے۔ ان کے نزدیک شیکسپیر اس پرانی تقدیر سے آشنا تھا جس نے انسان کو اسیر کر رکھا تھا اور اس نئی تقدیر کا نقیب ہے جو انسانی روح کی آزادی کی ترجمان ہے۔ نرائن دنکیشور راؤ نے شیکسپیر کی شاعرانہ عظمت کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کی الفاظ پر فتح کی طرف اشارہ کیا مگر یہ بھی کہا کہ وہ اس بزرگی کی

طرح ہے جس کے سایے میں کوئی چیز پھل پھول نہیں سکتی اس لیے اس کے جادو سے دور رہنا چاہیے۔ پروفیسر مجیب نے ایک دلچسپ بحث اٹھائی۔ انھوں نے دو دنیاؤں کا موازنہ کیا۔ ایک شیکسپیر کی دنیا جس میں آدمی بستے ہیں اور جو انھیں جدید ادیبوں کی دنیا سے زیادہ دل کش معلوم ہوتی ہے، دوسری جلال الدین رومی کی دنیا جس میں خدا کا انسان پر سایہ ہے اور جس میں وہ اپنے آپ کو پاتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ شیکسپیر کی دنیا اب بھی انھیں آواز دیتی ہے۔ شام لال ادیب نے اس بات پر زور دیا کہ شیکسپیر کے یہاں وہ عناصر بھی ملتے ہیں جو آج ٹی ایس ایلیٹ اور بیکٹ کی خصوصیت سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے ہیرو دراصل اینٹی ہیرو ہیں اور اس کے یہاں ایسا تنوع ہے کہ ہمیں اپنی پسند کا شیکسپیر ہر وقت اور ہر دور میں مل جائے گا۔ اماشنکر جوشی کو شیکسپیر میں انسانی زندگی کا وہ تصور نظر آیا جو دنیا کے بڑے مذاہب نے پیش کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ شیکسپیر نے زندگی کے المیہ کو جس طرح دیکھا ہے اس میں ایک آفاقی شان ہے۔ فرانک ٹھاکر داس نے شیکسپیر کے وجود کے لیے

اس شمارے میں

خدا کا شکر ادا کیا اور اس کے اس طرح پڑھنے پر زور دیا کہ اس کا جادو اثر کر سکے اور اس کے الفاظ کی عظمت واضح ہو سکے۔ کانا سبرامنیم نے بھی شیکسپیئر کو خراج عقیدت پیش کیا۔

مقالات کے پڑھے جانے کے بعد ان پر بحث ہوئی۔ پروفیسر ہمایوں کبیر نے جو صدارت کر رہے تھے مقالات پر تبصرہ کیا اور اپنے تاثرات بیان کیے۔ پروفیسر ہمایوں کبیر کا یہ کمال ہے کہ وہ ہر تقریر میں کچھ نہ کچھ پتے کی باتیں ضرور کہتے ہیں، ورنہ جسے روز دو چار تقریریں کرنی پڑیں اس سے بہت زیادہ امید نہیں رکھی جا سکتی۔

دوسرا دن شیکسپیئر کا درس دینے والوں کے لیے تھا۔

ڈاکٹر اے۔ بوس، پروفیسر بھلا، پروفیسر بھٹ، نراین مینن، وے۔ کے۔ داس گپتا، پروفیسر نرسی میتا، مسز جنگل والا، مسٹر اجرانی نے مقالات پڑھے۔ ڈاکٹر بوس نے کہا کہ شیکسپیئر کے ڈرامے پڑھانا کافی نہیں، ان ڈراموں کو اسٹیج کرنا چاہیے اور ان کے متن کو اس طرح پڑھنا چاہیے کہ ان کی شاعری اور ڈرامائیت واضح ہو سکے۔ پروفیسر بھلا نے اس نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ شیکسپیئر کے ڈراموں کو سمجھنے کے لیے اس کے ماحول کو اور اس کی زبان کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے اور اس لیے اس کے ڈرامے اس طرح دکھانے چاہییں کہ اس کی زبان کی تھرتھراہٹ اور اس میں معنی کی کئی لہریں واضح ہو سکیں۔ پروفیسر نراین مینن نے ایک دلچسپ بات کہی۔ انھوں نے حوالوں سے ثابت کیا کہ زبان سے اچھی واقفیت جو ادب خصوصاً شیکسپیئر کے ڈراموں کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے صرف ادب کے لیے نہیں بلکہ سائنس کے لیے بھی مفید ہے کیوں کہ اس طرح ذہن کی تربیت ہوتی ہے اور اس کی تخلیقی صلاحیت بڑھتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ سائنس ہر سوال کا ایک جواب دیتی ہے اگر ہیملٹ کی دیوانگی کے متعلق کئی نظریات ملتے ہیں اور ان سب کے ذہن میں رکھنے سے ذہن میں وسعت اور گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ پروفیسر بھٹ نے بتایا کہ شیکسپیئر کی آفاقیت نئے ہندوستان کے لیے مفید ہے۔ پروفیسر اجرانی کا خیال تھا شیکسپیئر کے یہاں موت کے بعد ایک نئی زندگی کی طرف اشارہ ملتا ہے جو ہندوستانی دنیا کے لیے بڑی کشش رکھتا ہے۔ پروفیسر نرسی میتا نے صرف انگریزی زبان کی تعلیم پر اعتراض کیا اور اس پر اصرار کیا کہ شیکسپیئر کے ذریعہ سے ادب کی تعلیم زیادہ مفید بھی ہے اور زیادہ پُراثر بھی۔ انھوں نے تو بعد میں یہاں تک کہا کہ شیکسپیئر انگریزی کے ہر نصاب میں لازمی طور پر گریجویٹ ہونے والے طلبا کو پڑھانا چاہیے خواہ وہ سائنس اور انجینیرنگ کے طلبا کیوں نہ ہوں۔ پروفیسر جنگل والا نے شیکسپیئر کے ڈراموں کو بلند آواز سے پڑھنے پر زور دیا۔

بحث میں اس پر اتفاق ہوا کہ شیکسپیئر کو صرف اس طرح پڑھانا کہ اس کے الفاظ کے معنی بتلائے جائیں اور اس کی کردارنگاری کی خصوصیات بیان کی جائیں، قطعاً ناکافی ہے، اس کے بجائے اسے بلند آواز سے پڑھ کر، اس کے ڈرامے اسٹیج کر کے، اچھی ناٹک کمپنیوں کے کھیل دیکھ کر شیکسپیئر کی روح تک پہنچا جا سکتا ہے۔

اس اجلاس کی صدارت پروفیسر سوامی ناتھن نے کی۔

تیسرے دن شیکسپیئر کو اسٹیج کرنے کے مسائل پر مقالے پڑھے گئے۔ سب سے اچھا مقالہ القاضی کا تھا جو ایک مشہور ڈائرکٹر ہیں اور نیشنل اسکول آف ڈراما کے نگراں۔ انھوں نے اس روش کی مذمت کی کہ پروڈیوسر شیکسپیئر کے ڈراموں کو اپنے خیالات کا جامہ پہنائے۔ انھوں نے ڈراما کے فن کے امکانات کو واضح کیا اور بتایا کہ شیکسپیئر کی دنیا صرف آنکھوں سے نہیں دیکھی جا سکتی۔ ہاں اگر اس کی زبان کے ڈرامائی امکانات اچھی اداکاری سے آشکار ہو جائیں تو تخیل کی مدد سے اس دنیا کی سیر کی جا سکتی ہے۔ القاضی نے کہا کہ ان لوگوں کو جو خلوص اور یکسوئی سے شیکسپیئر کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں شیکسپیئر ایک نئی اور انوکھی دولت دیتا ہے۔ اتپل دت نے جو ایک مشہور بنگالی ڈائرکٹر ہیں، شیکسپیئر کے ڈراموں کے سیاسی پہلو پر روشنی ڈالی اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ سیاسی شعور کے بغیر اور سماجی تبدیلیوں کے احساس کے بغیر شیکسپیئر کی روح تک پہنچنا ناممکن ہے۔ انھوں نے خاص طور سے جولیس سیزر سے مثالیں دیں۔ ادیا رنگاچاری نے شیکسپیئر کے تراجم کو اسٹیج پر دکھائے جانے کے مسائل پر روشنی ڈالی۔ مسز نلنی سارا بھائی نے کہا کہ شیکسپیئر کے ڈراموں کو اسٹیج کرتے وقت ہمیں اس کی شاعرانہ اور نفسیاتی عظمت کو نہیں بھولنا چاہیے۔ وجے بھگتی نے مراٹھی میں شیکسپیئر کے تراجم کا ذکر کرتے ہوئے بڑے جوش سے کہا کہ اب تک اس سلسلے میں جو کچھ ہوا ہے اسے بالکل بھول جانا چاہیے اور نئے سرے سے اس کی تشریح اور ترجمانی شروع کرنا چاہیے۔ حبیب تنویر نے کہا کہ سیاسی طور سے انگریزوں کا اثر ختم ہو گیا، مگر مغربی تہذیب کی حرارت کو ہم شیکسپیئر کے ذریعہ سے اب بھی باقی رکھ سکتے ہیں۔ انسان اور اس کے اجتماعی ماحول میں جو تضاد نظر آتا ہے وہ آج گہرا ہو گیا ہے۔ اسے دور کرنے کے لیے ایک نئے نظام اخلاق کی ضرورت ہے جو انسان دوستی کے جامع تصور پر مبنی ہوگا اور جس میں شیکسپیئر اب بھی ہمیں مدد دے گا۔ اس طرح شیکسپیئر ہمارا ہم عصر ہو جاتا ہے اور ہم سے زیادہ قریب۔

اس موضوع پر اتفاق کی گنجائش کم تھی مگر اس بات پر اتفاق تھا کہ شیکسپیئر کی ترجمانی سے آج کی زندگی کے مسائل میں بھی بصیرت مل سکتی ہے گو اسے کسی مخصوص نظریے کے تحت نہیں لایا جا سکتا۔

چوتھے دن ہندوستانی زبانوں میں شیکسپیئر کے عنوان پر مقالے

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

ابوالاسرار درمنزی (نادری ایم۔ اے۔ علیگ)

میرے دل کی آواز

ہماری زبان (یکم نومبر ۱۹۹۶ء) میں صفحہ اوّل پر "مشاعروں کا موسم" کے عنوان سے ایک نہایت شاندار اور سبق آموز اداریہ شایع ہوا ہے۔ یہ میرے دل کی آواز ہے اس کا ایک ایک لفظ قابل قدر ہے صاحب مضمون نے ادب کا درد کے لیے جو لائحہ عمل تجویز کیا ہے۔ بے شک قابل اعتنا رہے۔

دنیائے ادب میں وہ دن سیاہ تھی کا تھا کہ جب مشاعروں میں شعر و نغمہ کو یکجا کر دیا گیا کیوں کہ کلام کا تعلق تکلم سے ہے نہ کہ ترنم سے اس روز سے یہ مشاعرہ ایک سامان تفریح بن کر رہ گیا۔ فروغ ادب کے نام سے زوال ادب شروع ہو گیا۔ رفتہ رفتہ جو کاروان سخن منزل ادب کی طرف گامزن تھا اس کا رخ نغمہ کی طرف ہو گیا۔ سستی شہرت کے شاعروں کو خود فریبی میں مبتلا کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ ثروت افکار RICHNESS OF THOUGHT اور رعنائی تخیل۔ مضمون آفرینی اور بلند پروازی کی کوئی قدر و قیمت نہ رہی۔ صرف ترنم پہ داد ملنے لگی۔ ناشناسوں کا نعرہ مستانہ ہی معیار سخن قرار پایا۔

شاعری دو طرح کی ہوتی ہے (۱) بازاری اور فلمی (۲) معیاری اور علمی۔ پہلی قسم کی شاعری کی داد کم خواندہ عوام دے سکتے ہیں اور دوسری قسم کی شاعری کی داد خواص کا تعلیم یافتہ طبقہ دے سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عوام کی تعداد خواص کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اچھے شاعروں کا کلام پامال اور مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کو کھوٹا سکہ سمجھ کر کوئی قبول نہیں کرتا یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ جن لوگوں کا تلفظ بھی درست نہیں ہے وہ نغمہ سرائی کی بدولت مشاعرہ جیت لے جاتے ہیں اور بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ اس سے ادب کو بجائے فائدے کے نقصان پہنچتا ہے (۱) گویّے شاعر مطالعے کے لیے محنت نہیں کرتے۔ اور اچھے شاعر بننے کی کوشش نہیں کرتے عمر بھر متشاعر ہی رہتے ہیں ان کا ذہن عمدہ تخلیقات نہیں پیش کر سکتا۔ ان کی دنیا صرف فلمی گانوں تک محدود رہتی ہے۔ (۲) حقیقی شاعر کو جب نوازا نہیں جاتا تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے وہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ دنیائے سخن میں ایک متاع کس فر ہے وہ سوچنے لگتا ہے کہ اب شاعری ترک کر دینی چاہیے۔ اس طرح اچھے شاعروں کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔ یہ بھی شعر کی موت ہے۔

ان شاعروں کے دل پر کیا گزرتی ہوگی جو اپنی تخلیقات اور فکری کاوشوں کو اپنا خون پلاتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

خشک سیروں تن شاعر کا لہو ہوتا ہے
جب نظر آتی ہے اک مصرع تر کی صورت

میرے ایک بزرگ آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں کہ کم و بیش ۳۰-۳۵ برس کی بات ہوگی وہ یو۔پی کے ایک مشاعرے میں شریک تھے۔ ترنم کا رواج ہو چلا تھا۔ جب حضرت احسن مارہروی جانشین حضرت داغ دہلوی (مرحوم) کا نمبر آیا تو مشاعرہ کا رنگ دیکھ کر سب سے پہلے یہ رباعی پڑھی جو شاید اسی وقت موزوں کی گئی ہوگی۔

سازندوں کے انداز کہاں سے لاؤں بجتی ہوئی آواز کہاں سے لاؤں
فرمائیں معاف نوجوانان وطن بوڑھا ہوں نیا ساز کہاں سے لاؤں

اب تو مشاعروں میں نئی بدعات داخل ہوتی جا رہی ہیں ابھی تک تو صرف شاعرانہ ترنم کا سبز قدم آیا تھا اب باقاعدہ گلوکاری شروع کر دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اداکاری بھی ترقی کر رہی ہے۔ نقال اور قوال دونوں شعر و سخن کے اسٹیج پر اپنے فنون کا مظاہرہ کرنے لگے ہیں۔ مشاعروں کو رونق دینے کے لیے شاعرات سے بھی پڑھوایا جاتا ہے۔ ایک تو غزل سرائی اور وہ بھی اداکاری کے ساتھ اس طرح مشاعرہ رقص و سرود کی محفل بنتا جاتا ہے۔ ادھر تو حسن و عشق کی معاملہ بندی ادھر شعر و نغمہ کی گرمی۔ یہ سب مل کر کئی جادو اکٹھا ہو جاتے ہیں جو سامعین کو مخمور و مسحور کر دیتے ہیں اور نوجوانوں میں ہیجانی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ بعض شاعر تو شراب پی کر اس معرکہ کو سر کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے جو خود کسی لغزش مستانہ کا شکار ہو وہ کس طرح قوم کی کردار سازی میں حصہ لے سکتا ہے۔ شعر و شراب شاہد اب مشاعرہ تینوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ یقیناً یہ صاعقہ پیمائیاں خرمن ادب کو خاکستر بنا کر رکھ دیں گی۔ ایک ایک کر کے برائیاں سوسائٹی کی رگ و پے میں سرایت کرتی جا رہی ہیں۔ اب مشاعرہ ذہنی عیاشیوں کا اکھاڑہ بن کر رہ گیا ہے۔ ان حالات میں دامان تقدس پارہ پارہ ہو جائے تو کچھ تعجب نہیں۔ لیکن اس قوم کا انجام کیا ہوگا جو عین جوانی میں جوہر انسانی سے محروم ہو جائے۔ سچ کہا ہے ؎

تمہید خرابی کی انجام خرابی ہے
اک بُت کا بنانا ہے بت خانہ بنا دینا

بعض شرمیلے مزاج کے انسان ایسے مشاعروں میں شرکت کرتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ ان کی حیا گیشی اس حمام میں جانے کی اجازت نہیں دیتی۔ مشاعروں سے فائدہ ہے یا نہیں؟ مشاعرے ختم کر دیے جائیں یا جاری رہیں؟ ایسے سوالات دماغوں میں پیدا ہونے لگے ہیں سب سے بڑا نقصان نظام اخلاق و تمدن کی بربادی ہے جس طرح شراب کے نقصانات اس کے نفع سے زیادہ ہیں اسی طرح مشاعرہ کے نقصانات اس کے نفع سے کہیں زیادہ ہیں۔ مشاعروں کی راہ سے اخلاقی زوال کا جو سیلاب آ رہا ہے اس کی گرج پورے ملک کے لیے

خطرہ کی گھنٹی ہے اور ساتھ ہی ساتھ خود دار شاعروں اور ادیبوں کی غیرت کو چیلنج بھی ہے۔ باحمیت، باوقار شاعروں کا خاموش تماشائیوں کی طرح اس گھناؤنے منظر کو برداشت کرلینا سکوت عن الحق ہوگا۔ نبوت کی زبان میں ساکت عن الحق کو گونگا شیطان DUMB DEVIL بتایا گیا ہے۔ اقبال کے اس مصرع میں ایک درس حکمت پوشیدہ ہے ؎

جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا؟

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اس فحش نگاری پر داد دی جاتی ہے ایک بند ملاحظہ ہو۔

تیسرے درجہ میں مری جان تم بیٹھا نہ کرو
اس میں کچھ عاشق ناشاد سفر کرتے ہیں
پاس بستر جو لگا لیں گے تو پھر کیا ہوگا؟

پست مذاقی کا یہ عالم ہے کہ اس قسم کے اشعار پسند کیے جاتے ہیں ؎

جناب شیخ سمجھانے چلے ہیں۔ بہانہ ہے کہ سمجھانے چلے ہیں

اور ایسے کلام پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ اور نہ پسند کیا جاتا ہے۔

کیف عرفاں سے شرابور ہو یہ بزم کی بزم
جرم ہے جرم یہاں ساغر و مینا ہونا!
روح احساس مسرت پہ فنا طاری ہے
زندہ رہنے کی سزا ہے غم فردا ہونا

حال ہی میں صوبہ راجستھان کے دو بڑے شہروں میں دو ادبی اجتماعات ہوئے ہیں پہلے جے پور میں سمپوزیم اور آل انڈیا مشاعرہ ہوا اور پھر جودھپور میں ۱۳، ۱۴، ۱۵ نومبر کی تاریخوں میں سمپوزیم اور طرحی مشاعرہ ہوا۔ انجمن ترقی اردو کی شاخوں کا یہ اقدام نہایت مستحسن ہے اور ان کے organisers کی کوششیں قابل ستائش ہیں جودھپور میں اس سے پہلے اتنا بڑا مشاعرہ نہیں ہوا سمپوزیم تو ایک ٹھوس کام ہے اس کی قدر صرف عالم فاضل ہی کر سکتے ہیں۔

میں جودھپور کے مشاعرہ میں شریک تھا۔ چند شاعروں کے کلام کو چھوڑ کر باقی کا کلام اپنے روایتی عناصر لیے ہوئے تھا یہ دیکھکر دکھ ہوا کہ ایک عظیم الشان اور نہایت قیمتی مشاعرہ خود غرضانہ پالیسی کی بدولت تنگدلی کے ہاتھوں بدنظمی کا شکار ہو کر مجروح ہو گیا ؎

یہ کس نے کائنات کو نقطہ بنا دیا
ذرّہ کو مہر، مہر کو ذرّہ بنا دیا

بہت اچھا ہوا کہ حضرت شاغل جے پوری نے ایک شاعر کو بیہودہ گوئی کی بنا پر بر سر مشاعرہ ٹوک کر پڑھنے سے روک دیا۔ ادیبوں اور شاعروں کو اپنا فرض پہچاننا چاہیے کسی کلام کے ٹیپ ریکارڈ ہو جانے یا تمغے حاصل کر لینے سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ کلام واقعی معیاری ہے اور نہ اس سے شاعر کی حقیقی عزت افزائی ہوتی ہے ہاں انتخاب کنندہ کی قابلیت ذہنیت اور سخن فہمی کا مذاق معلوم ہو جاتا ہے۔

مشاعروں کی بدعنوانیوں کو ختم کرنے کے لیے عملی قدم اٹھانے کی سخت ضرورت ہے۔ کم و بیش چوتھائی صدی کے تجربہ کے بعد اپنے دل کے درد کو سامنے رکھ رہا ہوں جو حضرت آل احمد سرور کے منشا کی ترجمانی ہے۔

۱۔ مشاعروں میں ترنم کا رواج ختم کر دینا چاہیے۔
۲۔ اگر یہ ممکن نہیں تو سادہ پڑھنے والوں اور ترنم سے پڑھنے والوں کی الگ الگ نشستیں ہونی چاہئیں۔
۳۔ مشاعرہ میں پاکیزہ اور شستہ کلام پڑھا جائے ایسا کلام ہو جس کو استاد۔ ماں۔ باپ۔ بہن بھائی۔ سب کے سامنے پڑھا جا سکتا ہو الغرض مقصدی ادب ہو۔
۴۔ مشاعروں کی جگہ نشستوں کو رواج دینا چاہیے جو ۱۲ بجے رات سے متجاوز نہ ہوں تاکہ صحت پر اثر نہ پڑے۔
۵۔ اشعار میں نئے نئے مضامین کی تلاش و جستجو کا خیال رکھا جائے ماحول حاضرہ کی پوری پوری عکاسی ہو۔
۶۔ ہر اچھے شعر پر ضرور داد دینی چاہیے چاہے وہ کسی کا ہو۔
۷۔ شاعروں کو ان کے تخلص سے بلحاظ حروف تہجی پڑھنے کا نمبر دیا جائے اس سے شاعر کو اپنے نمبر کا اندازہ رہے گا۔
۸۔ جو صاحب آداب محفل کو ملحوظ نہ رکھ سکیں ان کو محفل سے محروم کر دیا جائے۔
۹۔ انعام نقادوں کی کمیٹی اور ججوں کے فیصلوں پر دیا جائے
۱۰۔ غیر شاعر کو صدارت نہ تفویض کی جائے اور جو صدر بنایا جائے وہ خطبہ صدارت ضرور پڑھے جو مختصر اور جامع ہو۔ یہ خطبہ مشعل راہ ثابت ہو سکتا ہے۔

جو ادارے، انجمنیں، یا افراد ترقی ادب و فلاح سخن کے متمنی ہیں ٹھنڈے دل سے مندرجہ بالا امور پر غور فرمائیں ؎

سیماب کون ہو مرے احساس میں شریک ۔ کس کی نظر وہاں ہے جہاں دیکھتا ہوں میں

غزلیں

سید حرمت الاکرام

نکہت و رنگ کے گہوارے میں پلا ہو اور آنہ ہے
یہ دنیا بھی دشتِ دل کا اک حسین افسانہ ہے
اپنی آگ میں چپکے چپکے جلتے رہنا، گھٹتے رہنا
کون بتلائے یہ دلِ سوزاں شمع ہے یا پروانہ ہے
دیدۂ حرم سے تم روٹھے تو دل میں سمائی خلوتِ حسن
میں بھی خفا ہوں برہم سو میرا بھی کوئی کاشانہ ہے
تیرا گھر جب آباد آیا تو ہم صرف آشنا سے
بیتی عمر یوں کا ہر لمحہ اک رنگین افسانہ ہے
فطرتِ آدم! کچھ تو بتا، کیا ہے یہ ذوقِ تنہائی
عالم آب و گل جیسے چھلکا ہوا اک پیمانہ ہے
ان کے غم کی شمع امانت اک شرک بھی گی
کچھ نہ سہی تو جینے مرنے کا دلچسپ بہانہ ہے

حرمت کو نزدیک سے دیکھا سب کا دوست دلدادۂ حسن
راہ بتاتا ہے اوروں کو لیکن خود دیوانہ ہے

سلام ساگری

لبوں پہ آہ بھی ہے اور آنکھ بھی نم ہے
سلام! کس کے غمِ عشق میں یہ عالم ہے
مجھے زمانے کے سود و زیاں کا کب غم ہے
جو ہے تو اپنے ہی احساس کا ماتم ہے
بڑا کرم ہے یہ پروردگارِ عشق و الم!
ترے جہاں میں دو روزہ ثبات کیا کم ہے
ہزار عیش و طرب مجھ کو ہیں نصیب مگر
بغیر آپ کے یہ زندگی تو مبہم ہے
حریمِ ناز کے پردے اٹھیں اٹھیں نہ اٹھیں
مری نگاہ تو خود جلوۂ تبسم ہے
ہمارے اشکوں سے ان کی نگاہ بچ نہ سکی
شعاعِ مہر سے اونچا مقام شبنم ہے

کسی کے فیض سے ہوں خسروِ سخن میں سلام
مری غزل کا ہر اک شعر ایک پرچم ہے

عبدالرحیم نشتر

تری نظر میں بہار مہکی
مری نظر میں شرار مہکے
وہ دیکھو آئی بہارِ منزل
وہ راستے میں غبار مہکے
وہ چل پڑے قافلے جنوں کے
وہ راہ میں لالہ زار مہکے
"خلوصِ یاراں" کی یاد آئی
تو دل میں کتنے شرار مہکے
کریں گے ذکرِ حیات نشتر
کسی کی الفت ہزار مہکے

شاہدہ سلطانہ فائزہ

آج یہ حال آدمیت ہے
ایک کو دوسرے سے نفرت ہے
جو محبت کی روشنی سے تھے
اسی غم کی مجھے ضرورت ہے
گل سے چہرے خزاں میں کمھلائے
یہ تغیر مقامِ عبرت ہے
درد کا آپ کو کہاں احساس
آپ کیا جانیں کیا محبت ہے

فائزہ لب پہ جو نہ آئی تھی
اب نگاہوں میں وہ حکایت ہے

بنارس میں جشن افق منایا گیا

۲۹ نومبر کو منشی دوارکا پرشاد افق لکھنوی کے صد سالہ یوم پیدائش کا جشن ہیلیس کیفے کے ہال میں منایا گیا۔ ہندو یونیورسٹی بنارس کے شعبۂ اقتصادیات کے لکچرر شری عبدالظاہر صاحب نے صدارت فرمائی۔ غالب اکاڈمی بنارس کے صدر مولانا خیر بہوری صاحب نے افتتاح فرمایا۔ مجلس استقبالیہ کے صدر شری دیدی نرائن کوہلی ایڈوکیٹ نے خیر مقدمی تقریر کی۔ شری حکم چند نیر اردو لکچرر ہندو یونیورسٹی بنارس نے اردو زبان کے بعض اہم گوشوں پر روشنی ڈالی اور افق آنجہانی کی شاعری اور ان کے کمالات پر اظہار خیال فرمایا۔ محمد ذکریا حافظ بنارسی، سلطان عباسی بارہ بنکوی، شیو ناتھ پرشاد لکچرر ڈی۔اے۔وی کالج بنارس، بیکس غازی پوری، مجی سکندر پوری نے افق کی طرح میں اپنی غزلیں سنائیں اور ان کو خراج عقیدت پیش کیا۔ شری محمد ظہیر صاحب مالک سگولی شوگر فیکٹری کی طرف سے حاضرین کی تواضع کی گئی۔

افق ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۱۳ء میں انتقال کیا۔ بڑے صاحب کمال شاعر اور نثر نگار تھے۔ ایک منظوم اخبار "نظم اخبار" کے نام سے نکالا تھا جس میں تمام مضامین اور خبریں وغیرہ نظم میں درج ہوتی تھیں۔ ان کی قادر الکلامی کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ کئی سو صفحات کی رامائن کو انھوں نے ایک ہی قافیے میں نظم کر دیا تھا۔ مختلف موضوعات پر ان کی تصنیفات کی تعداد سو سے اوپر تک پہونچی ہے۔

(رام گوپال صراف بی کام)

استفسار

ڈاکٹر لکشمی نرائن شلا کاری جی نے جو ہندی زبان کے بڑے اچھے ادیب ہیں جنھیں اردو کے سیکڑوں اشعار یاد ہیں یہ دو شعر سنا کر فرمایا کہ یہ غالب کے ہیں۔ آج سے ۳۰ سال پہلے یہ اشعار ان کو حضرت جگر مراد آبادی نے لکھنؤ میں اصغر گونڈوی کے یہاں سنائے تھے۔ کیا واقعی یہ اشعار غالب کے ہو سکتے ہیں زبان اور اسلوب بیان تو کچھ ملتا جلتا ہے۔ از راہ کرم ہماری زبان کے پڑھنے والوں کی دلچسپی کے لیے یہ شعر ہماری زبان میں شائع فرما دیں شاید کوئی صاحب روشنی ڈال سکیں۔

لگ گئی آگ اگر گھر کو تو کیا اندیشہ
شعلۂ دل تو نہیں ہے کہ بجھا بھی نہ سکوں
تم نہ آؤ گے تو مرنے کی ہیں سو تدبیریں
موت کچھ تم تو نہیں ہو کہ بلا بھی نہ سکوں

(محمد حسین خاں مہر)

سید فضل المتین

بھرت پور کے اردو رسائل اور اخبارات
(ایک جائزہ)

(میرا ایک مضمون "بے پور کے اردو رسائل اور اخبارات" "ہماری زبان" کی اشاعت ۲۲ اگست یکم ستمبر اور ۸ ستمبر سنہ ۱۹۹۳ء میں شایع ہو چکا ہے دوسرا مضمون پیش نظر شمارہ میں شریک اشاعت ہے۔

ان مضامین کو شایع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل نظر کی آرا کی روشنی میں کتاب "راجستھان کے اردو اخبارات و رسائل" کی ترتیب کے وقت تصحیح یا توثیق کی جا سکے (ف۔م)

بھرت پور۔ ضلع آگرہ اور شمالی ہند کے دوسرے علاقوں کے قریب واقع ہے اور صوبہ آگرہ میں بھی شامل رہ چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں شروع سے نہ صرف شرفا بلکہ عام دیہاتی اور جاہل بھی بہت پیاری اردو بولتے ہیں۔ اور اس شہر کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ یہاں سے راجستھان کا پہلا اخبار "مظہر السرور" نکلا

مظہر السرور:۔ اس اخبار کے لیے[1] گارساں دتاسی لکھتا ہے۔

"بھرت پور — صوبہ آگرہ میں ہے۔ وہاں کا اخبار "مظہر السرور" ہے۔ جو راجہ بھرت پور کی سرپرستی میں شایع ہوتا ہے"

نیز اس اخبار کی خاص تفصیلات کا علم "صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات"[2] کی درج ذیل عبارت سے ہوتا ہے ۱۸۵۱ء

"گزشتہ نومبر میں مطبع صفدری[3] کے نام سے بھرت پور میں ایک مطبع کا قیام عمل آیا ہے۔ صفدر علی گزشتہ نو سال سے ریاست بھرت پور کے ملازم ہیں چوں کہ کوئی مخصوص خدمت ان کے سپرد نہیں ہے۔ اس لیے انھوں نے مہاراجہ بہادر کی دل چسپی کے لیے ایک اخبار اسی مطبع سے نکالنا شروع کیا ہے۔ اس کے ایک کالم میں ہندی اور دوسرے میں اردو ہوتی ہے۔ اس کی صرف ۱۴ کاپیاں چھپتی ہیں۔

اخبار کی صرف ۱۴ کاپیاں تقسیم کی جاتی ہیں ۱۸۵۲ء

اخبار معمولی قسم کا ہے، جس میں معاصر اخباروں کے اقتباسات کے علاوہ کچھ اور بہت کم ہوتا ہے۔ ہندی اردو میں نکلتا ہے۔ ۱۸۵۳ء

مظہر السرور کی اشاعت کا نقشہ

سنہ	ہندو	مسلمان	عیسائی	کل
۱۸۵۱ء	۷	۵	۲	۱۴
۱۸۵۲ء	۷	۴	۳	۱۴
۱۸۵۳ء	.	.	.	۱۱
۱۸۵۴ء	.	.	.	۱۱

متذکرہ عبارتوں کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ مظہر السرور ۱۸۵۱ء میں مہاراجہ بھرت پور کی سرپرستی میں نکلنا شروع ہوا۔ اس کی ادارت کے فرائض صفدر علی ملازم ریاست بھرت پور انجام دیتے تھے۔ یہ مطبع صفدری میں چھپتا تھا اس کے ایک کالم پر ہندی اور دوسرے پر اردو ہوتی تھی۔ اس کی صرف ۱۴ کاپیاں چھپتی تھیں۔ ۱۸۵۱ء و ۱۸۵۲ء میں اس کے ہندو مسلم اور عیسائی خریدار تھے۔ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۵۴ء میں کوئی خریدار نہیں رہا۔ اخبار معمولی قسم کا تھا جس میں معاصر اخباروں کے اقتباسات کے علاوہ کچھ اور بہت کم ہوتا تھا۔ پتہ نہیں یہ اخبار کب تک نکلتا رہا۔

مطبع صفدری کی رپورٹ بابت ۱۸۵۲ء میں یہ عبارت ملتی ہے۔

"مالک مطبع[4]، صفدر علی نے مطبع کی حالت غیر اطمینان بخش ظاہر کی ہے اور انھوں نے لکھا ہے کہ عدم ہمت افزائی کی وجہ سے، کچھ عرصے کے لیے ان کو مطبع بند ہی کرنا پڑا تھا۔ اگر ان کی اعانت نہ کی گئی تو یہ کارخانہ ان کو مستقلاً بند کرنا پڑے گا۔

---

[1] خطبات گارساں دتاسی، چوتھا خطبہ۔ ۲۹ نومبر ۱۸۵۲ء صفحہ ۳۴ مجموعہ انجمن ترقی اردو ۱۹۳۵ء)

[2] صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات صفحہ ۶۰ (انجمن ترقی اردو ۱۹۶۲ء)

[3] مطبع صفدری۔ ۱۸۵۱ء میں راجہ بھرت پور کی سرپرستی میں قائم ہوا۔ گوشوارہ اخبارات و مطبوعات ۱۸۵۱ء سے پتہ چلتا ہے کہ اس مطبع سے مظہر السرور کی ۱۴ کاپیاں طبع ہوئیں۔ گوشوارہ اخبارات و مطبوعات ۱۸۵۲ء سے پتہ چلتا ہے کہ اس مطبع سے طبع ہونے والی کتب کی مجموعی تعداد ۲۲ اور مجموعی اشاعت ۲۰۰ تھی۔ نیز گوشوارہ اخبارات و مطبوعات ۱۸۵۳ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مطبع میں طبع ہونے والی کتب کی مجموعی (بقیہ نوٹ کالم ۲)

بقیہ نوٹ کالم ۱ کا۔ تعداد صرف ۱ اور مجموعی اشاعت ۲۰۰ تھی۔ (صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات صفحات ۱۸، ۲۱، ۴۴، ۴۶، ۴۸، ۸۰) مطبع صفدری کی مزید تفصیل کیلیے صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات کا صفحہ ۱۸۰ دیکھا جا سکتا ہے۔

[4] صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات صفحہ ۱۸۰

گزشتہ سال مطبع سے جو توقعات وابستہ کی گئی تھیں وہ پوری نہیں ہو سکیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ سابق راجہ نے شروع میں جو وعدے کیے تھے، وہ ایفا نہیں کیے گئے۔"

اس عبارت کی روشنی میں ایسا قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ۱۸۵۴ء میں یا ۱۸۵۵ء میں اس اخبار کا خاتمہ ہو گیا، چونکہ ۱۸۵۴ء میں اس اخبار کی تعداد اشاعت بجائے بڑھنے کے گھٹ کر ۱۱ رہ گئی تھی اور ۱۸۵۴ء کے بعد کا حال معلوم نہیں ہوتا ہے۔

ایک اخبار۔ جائزہ زبان اردو میں تحریر ہے
"ایک اخبار ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۳ء تک جاری رہا۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ لوگوں کی موت اور پیدائش کی خبریں شایع ہوا کرتی تھیں اور ساتھ ہی ملازمین کے تبادلے، رخصت اور دیگر ضروریات کے متعلق اطلاعات درج ہوا کرتی تھیں۔ بعض لوگوں کے مضامین بھی شایع ہو جایا کرتے تھے۔ آگرہ کے کسی مطبع میں چھپتا تھا۔ مولوی حاجی سید عبداللہ صاحب رضوی سابق پروفیسر آگرہ کالج اس کے ایڈیٹر تھے۔ جو اب بھی بقید حیات ہیں۔"

مندرجہ بالا عبارت سے جہاں اخبار کی نوعیت اس کے سنہ اجرا اور سنہ خاتمہ کا حال معلوم ہوتا ہے وہاں اس کے ایڈیٹر کے نام اور مقام اشاعت کا بھی پتہ چلتا ہے مگر اہم بات یہ ہے کہ اس اخبار کا نام معلوم نہیں ہوتا نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا سائز کیا تھا؟ یہ کتنے صفحات پر مشتمل ہوتا تھا؟ یہ روزانہ تھا یا ہفت روزہ؟ ان سوالات کے جوابات معلوم کرنے اور دیگر کیفیت حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس فی الحال متذکرہ عبارت کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

کلام اردو۔ جائزہ زبان اردو میں تحریر ہے
"ایک رسالہ "کلام اردو" کے نام سے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۵ء تک جاری رہا اس میں بھرت پور کے شاعروں کا انتخاب چھپا کرتا تھا۔ بھرت پور کے سرکاری مطبع میں چھپا کرتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مرزا غضنفر حسین صاحب عروج اور کچھ دنوں سید موسیٰ رضا صاحب شاد رہے۔"

متذکرہ عبارت کی روشنی میں "کلام اردو" کی ضروری کیفیت کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کی اشاعت کا وقفہ کیا تھا؟ سائز کیا تھا؟ اور کتنے صفحات پر مشتمل ہوتا تھا؟ فی الحال ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے اس رسالے سے متعلق ان سوالات کے جوابات اور دیگر حالات کا علم ہو سکے۔

ملک الشعرا منشی دوارکا پرشاد افق (لکھنوی) کا صد سالہ جشن ولادت

انبالہ چھاؤنی۔ ملک الشعرا منشی دوارکا پرشاد افق (لکھنوی) کا صد سالہ جشن ولادت آج ۲۸ر نومبر شب ۸ بجے ڈاکٹر جگن ناتھ سروپ بھٹناگر (مرحوم) کے مکان پر زیر اہتمام شری ترلوکی ناتھ سروپ بھٹناگر کالستھ برادری کی جانب سے زیر صدارت شری ہرشچندر بھٹناگر ایڈوکیٹ منایا گیا۔ اسٹیج سکریٹری کے فرائض جناب صابر ابوہری ایم۔ اے نے سرانجام دئے۔ اس تقریب میں جناب رام کشن تمنا، کرشن منش معراج، ہمدم، پرواز، کوشش ارشد، صابر، ابوہری، بلونت سنگھ، فیض، ندرت سرحدی نے شمولیت فرمائی۔ (شعلہ انبالہ چھاؤنی)

ملہ جائزہ زبان اردو صفحہ ۱۷۷

ملہ حاجی مولوی سید عبداللہ صاحب رضوی سے متعلق یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ آگرہ کالج میں پروفیسر رہ چکے تھے۔ اور ان کی دو تصنیفات بھی شایع ہوئی تھیں۔

(۱) حروف مفردات۔ مطبوعہ ۱۹۲۱ء۔ اردو ٹائپ سے متعلق
(۲) نور بصر۔ سنہ طباعت کا پتہ نہیں۔ پردہ کے موضوع پر
(جائزہ زبان اردو صفحات ۱۷۷-۱۷۸)

ملہ جائزہ زبان اردو کا سنہ اشاعت ۱۹۴۰ء ہے جس کے معنی ہیں کہ سید عبداللہ رضوی ۱۹۴۰ء میں بقید حیات تھے۔

ملہ جائزہ زبان اردو صفحہ ۱۷۷

ملہ مرزا غضنفر صاحب عروج کے لیے جائزہ زبان اردو میں تحریر ہے
"عصر حاضر کے مشہور و مستند ادیب مرزا غضنفر حسین صاحب عروج یادگار حضرت ظہیر دہلوی ہیں۔ آپ اردو، فارسی، عربی منطق و فلسفہ کے ماہر اور صاحب دیوان ہیں ایک دیوان ختم کر چکے، دوسرا قریب ختم ہے۔ رباعیاں، سلام اور مرثیے بھی کہتے ہیں۔ ایک رسالہ علم عروض پر لکھا ہے جو طبع ہو گیا ہے۔ اب مذہبی اور مناظرے کی کتابیں لکھ رہے ہیں۔ بہترین خوش نویس ہیں۔ ایک گمنامی کی زندگی بھرت پور میں گزار رہے ہیں۔"

(جائزہ زبان اردو صفحہ ۱۶۹)

ان کی دو تصنیفات کا پتہ چلتا ہے۔
(۱) یوسف گم گشتہ مطبوعہ ۱۹۰۹ء۔ ناول ہے۔
(۲) جان سخن مطبوعہ ۱۹۱۳ء۔ علم عروض پر لکھی ہے۔
(جائزہ زبان اردو۔ صفحات ۱۶۹-۱۷۷)

مراسلات

جواب استفسار

ہماری زبان (یکم نومبر ۱۹۶۲ء) میں نجم الحسن کولار صاحب نے اس شعر کے بارے میں دریافت فرمایا تھا کہ کس کا ہے:

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

ہماری زبان (یکم دسمبر ۶۲ء) میں کسی صاحب نے جن کا اسم گرامی درج نہیں ہے یہ اطلاع دی کہ یہ شعر جناب عندلیب شادانی کا ہے۔

دراصل یہ شعر جناب اختر انصاری کا ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی غزلیات کا پہلا مجموعہ "خوناب" مطبوعہ مکتبۂ اردو، لاہور، ۱۹۴۳ء ص ۱۰۸، دوسرا مجموعہ "سرود جاں" مطبوعہ مکتبۂ اسلوب، کراچی ۱۹۶۳ء ص ۱۰۴، ان کے چار مجموعوں کا انتخاب "بادۂ شبانہ" مطبوعہ ادارۂ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۴۱ء، ص ۱۱۰۔

ان مجموعوں کو دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شعر پہلے متفرق اشعار میں تھا لیکن ۱۹۴۱ء میں اسی زمین کی ایک غزل میں شامل کر لیا گیا۔ اس غزل کے چند اشعار یہ بھی ہیں:

نارسائی پہ ناز ہے جس کو
ہائے وہ شوق نارسا میرا
یاد کے تند تیز جھونکوں سے
آج ہر داغ جل اٹھا میرا
منت چرخ سے بری ہوں میں
نہ ہوا جیتے جی بھلا میرا
ہے بڑا شغل زندگی اختر
پوچھتے کیا ہو مشغلہ میرا

(سلامت اللہ خاں، ریڈر شعبہ انگریزی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

فقیر محمد خاں گویا

میرے مضمون "فقیر محمد خاں گویا" کا پہلا حصہ، جو گویا کے سوانح اور شخصیت سے متعلق تھا، ۱۵ر مارچ ۶۴ء کے "ہماری زبان" میں شایع ہوا تھا، اس کے بعد ایک ماہ کے اندر میں نے اس کا دوسرا حصہ بھی مکمل کر لیا جس میں گویا کی شاعری سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ میرا خیال تھا کہ ان کی شاعری کے متعلق جو گفتگو کی جائے گی وہ چار یا پانچ صفحات میں ختم ہو جائے گی، لیکن جب لکھنے بیٹھا تو وہ مضمون ۱۳۔ یا ۱۴ (فل اسکیپ) صفحات سے کم میں نہ آسکا۔ "ہماری زبان" میں چوں کہ بسیط و طویل مضمون شایع نہیں ہوتے اس لیے اس کا یہ دوسرا حصہ اس میں نہ دیا گیا۔

اس کے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض حضرات شاید یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں نے دوسرا حصہ نہیں لکھا، نہ لکھوں گا، چنانچہ ۲۲ر نومبر کے "ہماری زبان" میں ایک صاحب، مناظر عاشق ہرگانوی صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ "انھوں نے اپنے مضمون کے دوسرے حصے میں گویا کی شاعری سے گفتگو کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن نہ معلوم کیوں آج تک ان کے مضمون کا دوسرا حصہ شایع نہیں ہو سکا۔"

میں نے گویا پر اپنا مضمون بعنوان "فقیر محمد خاں گویا" (جس میں وہ شایع شدہ حصہ بھی شامل ہے) علی گڑھ کے ایک دوسرے (سہ ماہی) میگزین "فکر و نظر" میں دے دیا ہے، جو صاحب ان کی شاعری کے متعلق میرا مضمون دیکھنا چاہیں وہ "فکر و نظر" علی گڑھ کا مطالعہ فرمائیں۔ سوانح و شخصیت کے حصے پر بھی میں نے نظر ثانی کی ہے اور بعض اضافے بھی کیے ہیں، پورا مضمون غالباً ۱۵۔۱۶ فل اسکیپ صفحات پر مشتمل ہے۔

(مالک اسماعیل حسن خاں)

مخصوص طرحی نشست

امراؤتی (برار) ۲۲ر نومبر ۶۴ء۔ زیر اہتمام "ادبی مرکز" بروز اتوار۔ بتاریخ ۲۲ر نومبر ۶۴ء ایک طرحی مشاعرہ کی نشست زیر صدارت پروفیسر طیب احمد ایم۔ اے پروفیسر راج کالج امراؤتی جناب عبدالوہاب شیخ لکچرار کے دولت کدہ پر بوقت ۴ بجے بعد ظہر منعقد ہوئی۔ مصرعہ طرح حسب ذیل تھا

؎ "جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں"

حسب ذیل حضرات نے اس نشست میں شرکت فرمائی۔ نواب غضنفر علی خاں ایڈوکیٹ کریم الدین خاں کمانڈر ایس۔ آر۔ پی لئیق احمد۔ محسن اللہ محسن۔ قاضی ناتی ایڈوکیٹ پروفیسر آغا حسین پروفیسر ایس۔ اے۔ رحیم قادری۔ پروفیسر عبدالرب عرفان۔ پروفیسر عبدالقدیر خاں۔ انعام الرحیم صدیقی انعام۔ سحر عارفی۔ پیارے لال جتین۔ عبدالوہاب شیخ وہاب۔ فراق عارفی۔ محمد حسین اسیر پروفیسر شارق نیازی۔ اور صدر مشاعرہ پروفیسر طیب احمد صاحب احمد۔ شعراء حضرات نے اپنا طرحی کلام پیش فرمایا جو بے حد پسند کیا گیا۔ نشست ۵ بجے ختم ہوئی۔

(سحر عارفی)

(معتمد نشر و اشاعت۔ ادبی مرکز کیمپ امراؤتی (مہاراشٹر))

"ہماری زبان"

سے خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں

انجمن ترقی اردو شاخ ساگر (ایم۔پی)

انجمن ترقی اردو شاخ ساگر کی مجلس عام کا جلسہ ۲۹ر نومبر ۶۴ء کو بوقت ۲ بجے دن دفتر انجمن ترقی اردو میں منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز انجمن ترقی اردو شاخ ساگر کے جنرل سکریٹری کی رپورٹ سے ہوا جس میں انجمن کی گذشتہ سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا اور کل ہند اردو کانفرنس جے پور کی مختصر روداد پیش کی گئی۔ مجلس عام نے اردو کی مقامی صورت حال کا جائزہ لیا اور اس کے تحفظ و بقا کے لیے تجاویز منظور کیں۔ جن میں ابتدائی ممبر سازی شبینہ مدارس اور دارالمطالعوں کا قیام اور شہر کے مختلف حلقوں میں ایسے مرکز قائم کرنا جہاں سے اردو کی نشر و اشاعت کا کام برابر جاری رہے اور ان مرکزوں میں انجمن اپنا ایک ایک نمائندہ نامزد کرے جو سفیر اردو کے نام سے پکارا جائے یہ سفیر اردو اپنی مدد کے لیے ایسے لوگوں کو جو اعزازی طور پر اردو تحریک چلانے میں دلچسپی رکھتے ہوں اور اپنے اثر و رسوخ و ادبی ذوق سے اکثریت کے افراد کو اپنا ہم خیال بنا سکتے ہوں، نامزد کرنے کی سفارش کرے جو محافظان اردو کہلائے جائیں۔ تمام اساتذہ شعرا صحافیوں اور ادیبوں سے جنرل سکریٹری صاحب نے پرزور الفاظ میں اپیل کی کہ اس تحریک کو کامیاب بنانے میں اپنا پورا تعاون دیں اور کم از کم ایسے دو افراد کو اردو پڑھائیں جو اردو نہ جانتے ہوں اس طرح وہ اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیں شہر میں لڑکیوں کے لیے مڈل اسکول کھولنے کی کوشش کی جائے جس کی بے حد ضرورت ہے۔ ضلع میں جہاں اردو پڑھنے والے موجود ہوں وہاں پرائمری اسکول کھولنے کی کوشش کی جائے۔ مکاتب میں جہاں قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی ہے وہاں کے منتظمین سے درخواست کی جائے کہ وہ قرآن پاک کے ساتھ اردو کی تعلیم بھی جاری کریں محکمہ تعلیم کے افسران سے درخواست کی جائے کہ وہ ٹرینڈ ٹیچر اردو اسکولوں میں مقرر کریں اور اردو اساتذہ کے لیے ٹریننگ سنٹر کھولیں۔ نصاب کی کتابیں اردو اسکولوں کے لیے مہیا کرنے کا جلد بندوبست کریں۔

جلسہ تقریباً دو گھنٹہ جاری رہ کر نہایت اطمینان بخش فضا میں ختم ہوا۔

یو۔پی انجمن ترقی اردو کے وفد کا کامیاب دورہ

حسب اعلان انجمن ترقی اردو یو۔پی کا وفد جو قاضی مختار احمد جنرل سکریٹری اور مولانا سیّد ابوالبیان صاحب پر مشتمل ہے اپنا دورہ قریب قریب ختم کر چکا ہے دورہ کی مختصر رو[illegible] درج ذیل ہے۔

۲۳ر نومبر۔ قنوج ضلع فرخ آباد۔

قنوج میں حامیان اردو کا مخصوص اجتماع مسلم محمدیہ ہائی اسکول کے احاطہ میں منعقد ہوا۔ جنرل سکریٹری نے تقریر کی اچھے کانوں سنی گئی اور اسی وقت ایک عارضی کمیٹی بن گئی جس کے کنوینر احتشام علی صدیقی پرنسپل ہائی اسکول اور جوائنٹ کنوینر مرزا محمد یونس بیگ منتخب ہوئے

۲۴ر نومبر فتح گڑھ و فرخ آباد۔

۲۴ر نومبر کو فرخ آباد اور فتح گڑھ کے مخصوص حامیان اردو سے وفد نے ملاقات کی۔ رات کو ایک خاصہ اجتماع سیّد محمد طاہر صاحب وکیل کے یہاں بمقام فرخ آباد منعقد ہوا۔ فتح گڑھ کے حامیان اردو نے بھی شرکت کی۔ جنرل سکریٹری نے اردو کے متعلق ایک مفصل تقریر کی مولانا سید ابوالبیان نے بھی اس علمی اجتماع کو خطاب کیا چنانچہ عارضی کمیٹی جوش و خروش کے ساتھ تشکیل پا گئی جس کے کنوینر سید محمد طاہر وکیل منتخب ہوئے۔

۲۵ر نومبر۔ محمد آباد نیب کروری ضلع فرخ آباد

۲۵ر نومبر کو وفد محمد آباد پہنچا۔ دن میں یہاں کے پرائمری اسکول میں اردو تعلیم کا جائزہ لیا۔ اس اسکول میں درجہ ا سے درجہ ۵ تک اردو پڑھائی جاتی ہے۔

رات میں نیب کروری پہنچ کر ایک بڑے مجمع کو مولانا سید ابوالبیان نے خطاب کیا۔ اردو تعلیم کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔

۲۶ر نومبر شمس آباد۔

۲۶ر نومبر کو وفد شمس آباد پہنچا۔ شمس آباد کی انجمن ترقی اردو بہت عرصہ سے مردہ ہو کر رہ گئی تھی وفد نے نواب صاحبان اور ہمدردان اردو سے مل کر انجمن کو از سر نو زندہ کیا اور آج ہی انجمن کی طرف سے ایک شبینہ مکتب کی بنیاد ڈال دی گئی۔

۲۷ر نومبر۔ رودائن۔

۲۷ر نومبر کو وفد قصبہ رودائن پہنچا یہ ضلع فرخ آباد کا آخری مقام ہے۔ توقع ہے کہ انجمن ترقی اردو یہاں قائم ہو کر پوری خدمت انجام دے گی۔ ضلع فرخ آباد کے ہر مقام پر وفد کا خیر مقدم کیا گیا۔ حامیان اردو نے بہت خوش آمدید کہا مایوسی بددلی اور بدگمانی کی فضا بدل گئی۔

وفد نے ہر مقام پر اردو تعلیم کے سلسلہ میں شکایات بھی معلوم کیں۔ اس ضلع میں ۳ میونسپل بورڈ ہیں مگر کسی بھی نیل اسکول میں اردو کی تعلیم نہیں دی جاتی ہے۔ (سکریٹری)

جنتا لائبریری برہان پور میں احتشام صاحب کی آمد

۲۳ر نومبر ۱۹۶۹ء کو ملک کے نامور ادیب و نقاد پروفیسر سید احتشام حسین صاحب صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی کے اعزاز میں جنتا لائبریری برہان پور کی طرف سے ایک عظیم الشان ادبی اجتماع گاندھی بھون میں منعقد کیا گیا۔ صدارت کے فرائض جناب ایم۔ ایل اے شری گنگا چرن ڈکشٹ نے انجام دئے سب سے پہلے برہان پور کے علمی و ادبی اداروں کی طرف سے مہمان موصوف کی گل پوشی کی گئی انجمن ترقی اردو، انجمن معین الطلبا، جنتا لائبریری، بزم راغب، بزم خلیق، بزم امید، اور شریفیہ لائبریری کے صدور و سکریٹری صاحبان نے گل پوشی سے استقبال کیا، مرزا محمود بیگ ساز بی۔ اے نے معزز مہمان کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہماری بڑی خوش نصیبی ہے کہ ہم ملک کی ایک عظیم ہستی کو اپنے درمیان دیکھ رہے ہیں اور انھوں نے اہل برہان پور کی دعوت کو شرف قبولیت بخشا۔ آپ کے بعد معزز مہمان پروفیسر سید احتشام حسین صاحب نے فرمایا۔ چونکہ آج کا یہ ادبی اجتماع جنتا لائبریری کی طرف سے منعقد کیا گیا ہے لہذا میں لائبریریوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں گا، مہمان موصوف نے فرمایا۔ ہمارے یہاں جس طرح لائبریریاں قائم ہیں وہ اس کا صحیح طریقہ نہیں ہے۔ نہ ہم لوگ اسے اتنی اہمیت دیتے ہیں۔ حالانکہ یہی لائبریریاں کالج اور یونیورسٹیوں سے بڑا درجہ رکھتی ہیں۔ دنیا کے عظیم لوگ کالج اور یونیورسٹیوں کی ڈگریوں سے نہیں بنے ہیں بلکہ انھوں نے لائبریریوں سے استفادہ کیا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں لائبریریوں کو بڑے اچھے پیمانے پر چلایا جاتا ہے۔ وہاں پڑھنے والوں کے لیے ہر روز مطالعہ کے لیے نئی نئی معلومات دی جاتی ہیں۔ خواہ وہ سیاسی نوعیت کی ہوں یا علمی مسائل کے متعلق اپنے مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں موصوف نے فرمایا وہاں ایسی لائبریریاں ہیں جہاں ہزاروں کتابیں رہتی ہیں اور پڑھنے والے اپنی پسند کی کتاب تین یا چار منٹ میں آسانی سے حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اجراء اور کتاب کی واپسی کا بھی بڑا شاندار طریقہ ہے۔ کتاب اجراء کے وقت نہ لکھی جاتی ہے اور نہ واپسی کرتے وقت لائبریرین کو دی جاتی ہے بلکہ ممبران خود ایک رکھے ہوئے بکس میں واپس لا کر ڈال دیتے ہیں۔ بعد میں لائبریرین ان کو اپنی جگہ پر رکھ دیتا ہے مہمان موصوف نے ہندوستان کی لائبریریوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ہمارے یہاں اسے بڑی شان سمجھا جاتا ہے کہ کسی لائبریری سے کتاب حاصل کر کے اسے گھر میں رکھ لیا جائے۔ اس طرح لائبریریاں برابر نہیں چلتیں۔ دراصل لائبریری باعزم اور اچھے لوگ ہی چلاتے ہیں ہمیں چاہیے کہ ہم لائبریریوں سے علم و ادب حاصل کریں۔ معزز مہمان نے تقریباً پون گھنٹہ بڑے دلچسپ انداز بیان میں لائبریریوں کے متعلق کار آمد معلومات اور انکشافات فرماتے ہوئے فرمایا۔ ملک میں کتنی ہی ذاتی لائبریریاں ایسی سامنے آئیں جن میں ہزاروں کتابیں دیمک کی نذر ہو چکی تھیں لیکن یورپ اور امریکہ میں ایسی بوسیدہ کتابوں کی تعداد دیرے کر یادگار کے لیے محفوظ کر لیا جاتا ہے مجھے امید ہے کہ ہمارے یہاں کی لائبریریاں وقت کی ضرورت کو پورا کریں گی۔

احتشام صاحب کی تقریر کے بعد صدر جلسہ ڈکشٹ جی نے فرمایا جنتا لائبریری کا یہ جلسہ بڑا اہم ہے جس میں ہم نے ایسی ودوان ہستی کے خیالات کو سنا اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اردو ادب کا اتنا بڑا ادیب ہندی اور دیگر دیسی زبانوں سے اس قدر پریم اور لگاؤ رکھتا ہے۔ انھوں نے ہندی ادب کے لیے بڑا کام کیا ہے، اور کر رہے ہیں دراصل لائبریریوں کے ذریعہ ہی ہم اقبال، ٹیگور، شکسپیر اور ملٹن کو قریب سے پہچان سکتے ہیں۔ یہ کام کالج اور یونیورسٹیاں انجام نہیں دیتیں اس لیے ہمیں لائبریریوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ آخر میں سکریٹری جنتا لائبریری اقبال لعیب نے کہا جنتا لائبریری کا یہ ادبی اجتماع ہمارے معزز مہمان کے اعزاز میں منعقد کیا گیا ہے اور ہم پروفیسر سید احتشام صاحب کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے آج کے ادبی اجتماع میں اہل برہانپور کو اپنے قیمتی خیالات سے مستفیض فرمایا شری گنگا چرن ڈکشٹ اور برہان پور کے تمام علمی و ادبی اداروں کے اراکین کے بھی شکر گزار ہیں، جنھوں نے معزز مہمان کا اس ادبی اجتماع میں شایان شان استقبال کیا۔ اور جلسہ کو کامیاب بنایا۔ جلسہ کے بعد احتشام صاحب کو جنتا لائبریری لے جایا گیا جہاں موصوف نے لائبریری کا بغور معائنہ کیا اور فہرست کتب اور ریڈنگ روم دیکھ کر وزٹ بک میں منتظمین لائبریری کی جد و جہد کو سراہا۔ (اقبال نقیب سکریٹری)

(صفحہ ۲ سے آگے)

پڑھے گئے۔ نیلا مجمدار نے بنگال میں ڈرامہ کے تقریباً ایک سو پچیس سال کے ارتقا پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے اعتراف کیا کہ ڈرامائی اس روایت کے باوجود شیکسپیر کے جو تراجم اسٹیج پر دکھائے گئے وہ نہ اپنے ڈرامے ہیں نہ شیکسپیر کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ انھوں نے شیکسپیر کی زبان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ بنگالی میں اس کا ترجمہ مشکل نہیں۔ انھوں نے میکبتھ کے ایک بہت اچھے ترجمے کا ذکر کیا جو تقریباً دس سال ہوئے کامیابی کے ساتھ اسٹیج کیا گیا۔ جے۔ سی۔ ماتھر نے ہندی میں شیکسپیر کے تراجم پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے بتایا کہ لالہ سیتارام نے ۱۸۹۶ء میں شیکسپیر کا باقاعدہ ترجمہ شروع کیا۔ ہندی مترجموں میں رانگے راگھو اور بچن کے کارناموں کا بھی انھوں نے اعتراف کیا اس کے علاوہ شیکسپیر کے اثرات جو ہندی ڈراموں پر پڑے ہیں وہ بھی واضح کیے۔ جے۔ سی۔ ویاس نے گجراتی میں شیکسپیر کے تراجم اور اس کے گجراتی ڈرامانگاروں پر اثرات واضح کیے۔ اور شیکسپیر کی نظم سعرا کی گجراتی میں تقلید پر بھی روشنی ڈالی۔ پریم جوت کور نے پنجابی میں شیکسپیر کے ڈراموں کے تراجم کی داستان بیان کی اور خصوصاً سنت سنگھ سیکھوں کے میکبتھ کے ترجمے کی تعریف کی جو ۱۹۵۰ء میں شایع ہوا ہے۔ راج ادھیکش نے مراٹھی میں شیکسپیر کے اثرات کا تفصیل سے ذکر کیا اور شیکسپیر کے ترجموں کا جائزہ لیا۔ کا۔ نا۔ سبرامنیم نے تامل میں شیکسپیر کے موضوع پر روشنی ڈالی۔ راقم الحروف نے اقبال کی شیکسپیر پر نظم کی طرف اشارہ کیا اور گل کرسٹ کے دو چھوٹے چھوٹے تراجم سے لے کر جو ۱۷۹۶ء میں کیے گئے تھے آج تک کے شیکسپیر کے تراجم کی اہمیت کا جائزہ لیا۔ عنایت اللہ، عزیز احمد، مجنوں، سجاد ظہیر، اشرف، نیب لرحما کے تراجم کو سراہا اور اس بات پر زور دیا کہ اردو زبان شیکسپیر کے ترجمے کا حق ادا کر سکتی ہے بشرطیکہ غزل کی مخصوص زبان سے کچھ آزادی حاصل کر لی جائے۔

مقالات کے بعد چند سفارشات کی گئیں۔ سب سے اہم سفارش یہ تھی کہ ساہتیہ اکاڈمی شیکسپیر کے تراجم کے لیے مستند مترجموں کے بورڈ بنائے جن میں ادیب بھی ہوں اور ڈراما کا تجربہ رکھنے والے بھی اور سب سے اچھے ترجموں پر انعامات دیے جائیں۔

اس موقع پر ساہتیہ اکاڈمی نے انڈین لٹریچر کا ایک شیکسپیر نمبر بھی شایع کیا تھا جس میں ہندوستانی زبانوں میں شیکسپیر کے تراجم کا مختلف ادیبوں نے جائزہ لیا ہے۔ نیو شیکسپیر کمپنی نے دو شیکسپیر کے ڈرامے بھی اس موقع پر دکھائے۔ ایک TAMING OF A SHRAW اور دوسرا (TEMPEST) پہلا بہت کامیاب رہا۔ دوسرے میں TEMPEST کی روح نہ آسکی۔ سنگیت ناٹک اکاڈمی کی طرف سے اس ترنچ پر کنگ لیر کا اردو ترجمہ اسٹیج کیا گیا تھا۔ ترجمہ مجنوں گورکھپوری نے کیا ہے اور اسے ساہتیہ اکاڈمی نے شایع کیا ہے۔ اگرچہ یہ ترجمہ بھی اچھا ہے مگر دراصل اس میں جان القاضی کی ہدایت کاری کی وجہ سے پڑ گئی۔ قاضی نے لیر کے روح کے اضطراب کو بڑی کامیابی سے پیش کیا۔

شیکسپیر سمینار نہایت کامیاب رہا۔ شیکسپیر کی آفاقیت۔ اس کی عظمت۔ اس کی انسان دوستی کو خراج تحسین پیش کرکے ہندوستانی ادیبوں نے اپنے یہاں عالمی میلانات کو مستحکم کیا اور بین قومی تہذیبی اشتراک کی طرف اور تیزی سے قدم بڑھایا۔ امید ہے کہ اس کے اثر سے شیکسپیر کے اور بہتر تراجم ہندوستانی زبانوں میں ہوں گے اور ہماری شاعری کی زبان اور جامع اور بلیغ ہو سکے گی تاکہ وہ انسانی ذہن کے ہر گوشے کی عکاسی کر سکے اور کائنات کے اسرار کو اور کھول کر بیان کر سکے۔

عرش تیموری کا انتقال

کراچی ۳۰ نومبر۔ برصغیر پاکستان و ہند کے ممتاز ادیب و صحافی جناب عرش تیموری کا گزشتہ جمعرات کو کراچی میں انتقال ہو گیا۔ وہ گزشتہ اپریل سے سرطان کے مرض میں مبتلا تھے۔ جناب عرش تیموری (مرزا احمد کلیم شاہ) ممتاز شاعر و ادیب مرزا نظام شاہ لبیب کے صاحبزادے اور بہادر شاہ ظفر کی آخری یادگار تھے۔

انجمن شاخ پٹیالہ کی خبریں

۳۰ نومبر کی شام کے سات بجے انجمن ہٰذا کی ایک عظیم الشان نشست جناب ہرنس سنگھ تیج سپرنٹنڈنگ انجینیر پنجاب اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ پٹیالہ کی زیر صدارت منعقد ہوئی جس میں مندرجہ ذیل اردو اور ہندی کے شعرائے کرام نے شرکت فرمائی سردار ہرنس سنگھ تیج۔ راز انبالوی۔ کرشن جی۔ جینیش جی۔ شرودت سود۔ جگر جالندھری طالب شملوی۔ راج دیوانہ۔ سوز شرمن۔ جعیش پٹیالوی۔ شباب۔ نازاں اور راز۔

انجمن ہٰذا نے بالغوں کو اردو پڑھانے کے لیے جو ضروری اقدام اٹھائے تھے وہ تقریباً پورے کر لیے ہیں اور کچھ قاعدے جو انجمن کی طرف سے طالب علموں کو دیے جانے تھے فراہم کر دیے گئے ہیں۔ امید ہے جلد ہی کلاسیں شروع ہو جائیں گی۔

(جعیش پٹیالوی)

اودے پور میں ایک ادبی نشست

۲۱ نومبر کو انجمن اسکول اودے پور میں حلقۂ ادب کی جانب سے ایک ادبی نشست کا پروگرام منعقد ہوا جس کی صدارت جناب نشاط ٹونکی نے کی۔ یوسف قریشی نے غالب اور اقبال کی نظموں اور غزلوں کا راجستھانی میں منظوم ترجمہ سنایا۔ اور ہندی کے مشہور ناول نگار یادویندر شرما چندر نے تقریر کی۔　　　سکریٹری حلقۂ ادب

غلام رسول

اردو کے قدیم و جدید اعراب

ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ مل جانے اور اس کے بعض ایسے الفاظ، جو سنسکرت سے بعینہٖ ہندی میں آتے ہیں، آئے دن اردو زبان میں تعلیم، صحافت اور بول چال کے ذریعے داخل ہونے کے سبب ان کی مخصوص آوازوں کی کمی اردو میں مجھے محسوس ہوئی، جس کی بنا پر میں نے اردو خط کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ اس خدمت میں میری فکر و سعی ۱۹۵۶ء سے جاری ہے اور عملی طور پر ۱۹۵۸ء سے لے کر اب تک وقتاً فوقتاً جدید اعرابوں کے بارے میں مختلف رسائل و اخبار کے ذریعے اپنی تجویزیں اہلِ علم و نظر کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ ان میں رائے ممدودہ، شین ثقیلہ، نون ثقیلہ اور یائے قصیر ترتیب وار ہندی کی ऋ، ष، ण اور ि کی درمیانی ماترا (جیسے कवि) کے بدل ہیں۔ ان کے علاوہ ایک نیا اعراب، نیم، بھی ہے، جس کی علامت (ں) ہے۔ اردو کے لیے یہ جانی پہچانی علامت ہے، جن کا استعمال نونِ غنہ کی دوسری علامت (ںٓ) کے طور پر ہوتا ہے۔ یہ علامت سنسکرت کی چندر بندو (ँ) سے ماخوذ ہے۔ اردو والوں نے اپنی جدت طرازی سے چاند نما شکل کو گھٹا کر بلا نقطے کے رت نما نونِ غنہ کے لیے اپنا لیا۔ یہ نون کی آدھی آواز کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کو بعض لوگ الٹا جیم کے نام سے پکارتے ہیں۔ میں نے اس کا نام "نیم" رکھا ہے، کیوں کہ یہ علامت اس حرف کی جس پر یہ لکھی جاتی ہے آدھی یا ادھوری آواز کی نمایندگی کرتی ہے۔ اس اعراب کی ایجاد سے سنسکرت اور انگریزی کے بیسوں خاص الفاظ کی لکھاوٹ میں سہولت پیدا ہو گئی ہے؛ جیسے ستان، جوالا، کونی، آدتی (سنسکرت)، اور سکالر، شاپ، سکوٹ (انگریزی)۔

مذکورۂ بالا اعرابوں میں رائے ممدودہ، نیم اور یائے قصیر میرے ایجاد کردہ اور شین ثقیلہ اور نون مجوزہ اعراب ہیں۔ ان پانچوں اعرابوں کی نسبت اکثر و بیشتر اربابِ اردو متفق الرائے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اردو والوں نے ان کو قبول کر لیا ہے۔ جدید اعرابوں کی بدولت ہماری زبان کا رسم خط بسیط و جامع بن گیا ہے۔ اب اردو خط لکھاوٹ میں ناگری خط کا برابر ساتھ دے سکتا ہے۔

اس سلسلے میں مجھے اردو کے قدیم اعرابوں پر بھی تنقیدی نظر ڈالنی پڑی، جن میں سابق انجمن ترقی اردو کے منظور شدہ اعراب ایک ملوان واو اس کی علامت (ۏ) ہے۔ مثلاً: خواب، خوان، دوسرا اعراب ملوان یا۔ اس کی علامت (ی) ہے مثلاً: کیا، کیوں۔ میری دانست میں یہ دونوں اعراب قابلِ اصلاح پائے گئے۔ پہلے اعراب ملوان واو میں جو واو ہے وہ واوِ معدولہ ہے۔ یہ لکھی جاتی ہے، لیکن پڑھی نہیں جاتی۔ اس کی صحیح علامت (ۏ) ہے۔ اصل میں علامت نفی واو کی آواز کو منفی بتلاتی ہے یعنی واو ساکت ہے۔ برخلاف اس کے (ۏ) میں نیم واو کی ادھوری آواز کو ظاہر کرتا ہے لہٰذا اس علامت کا استعمال غلط ہے۔

برطانیہ دور میں صوبہ پنجاب کی اردو درسی کتابوں میں ملوان واو کے لیے (ۏ) ہی کا استعمال ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ پہلے ہی سے دہلی کے مشہور کاتب بھی اس علامت کو اسی طرح لکھتے رہے ہیں؛ پس خواب، خوان کا جدید املا خواب، خوان ہے۔

دوسرے اعراب ملوان (ی) ہے۔ یے اپنے پہلے حرف کی آواز کے ساتھ ملجاتی ہے اس لیے یہ یائے مخلوطی بھی کہلاتی ہے۔ اوپر کی مثالوں میں کیا اور کیوں پر غور کیجیے۔ ان کی لکھاوٹ میں نیم (ں) کو بجائے (ی) کے کاف کے اوپر استعمال کرنا چاہیے کیوں کہ کاف ان میں اپنی آواز کو ادھوری ظاہر کرتا ہے نہ کہ (ی) کی آواز کو۔ چنانچہ ہندی میں بھی کیا اور کیوں کے لکھنے میں آدھے کاف (क्) سے کام لیا جاتا ہے جیسے क्या، क्यों۔ مختصراً یہ کہ مخلوطی کی صورت میں نیم کو (ی) کی بجائے اس کے ماقبل حرف پر دینا چاہیے۔

اردو والوں کی واقفیت کیلیے قدیم و جدید اعرابوں کو مثالوں کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ محبانِ اردو کتابت میں ان پر عمل کر کے اصلاحی اردو خط کو رائج اور کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے۔

	اعراب	علامت	مثالیں
قدیم	۱۔ ملوان واو	ۏ	(اردو) یوانگ، یوالی۔ (فارسی) خود، خوش، خواہم
	۲۔ ملوان یا	(ی) یا کے حرف ماقبل پر	تیاج، ڈیوڑھی، تیالا، نیو لا، کیہ، ڈیم
جدید	۱۔ رائے ممدودہ	رٓ	رٓتو (موسم) = ऋतु کرٓپا (مہربانی) = कृपा گرٓہ (گھر) = गृह، نرٓپ (راجہ) = नृप
	۲۔ شین ثقیلہ	ش	روش (غصہ) = रोष وش (زہر) = विष دوش (قصور) = दोष میش (مینڈھا) = मेष
	۳۔ نون ثقیلہ	ڻ	مرن (موت) = मरण شرن (پناہ) = शरण راون = रावण رامائن = रामायण
	۴۔ یائے قصیر	یٖ	ہانی (نقصان) = हानि اگنی (آگ) = अग्नि رشی (رشی) = ऋषि آدی (قدیم) = आदि

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، ایڈیٹر شمیم الدین قریشی نے ... پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور ... نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا